Open Access

Al-Irfan(*Research Journal of Islamic Studies*)

Published by: *Faculty of Islamic Studies & Shariah*
Minhaj University Lahore

ISSN: *2518-9794 (Print), 2788-4066 (Online)*

Volume 09, Issue 17, January-June 2024,

Email: alirfan@mul.edu.pk

احمد ندیم قاسمی کے نعتیہ کلام میں استمداد نگاری: ایک مطالعہ

A Study of Intercession in Ahmad Nadeem Qasmi's Naat

Itrat Batool
Instructor, Department of Urdu, Rawalpindi Campus, VUP
itrat.batool@vu.edu.pk

Dr. Aqlima Naz
Assistant Professor, Department of Urdu Zuban-O-Adab, Fatima Jinnah Women University, Rawalpindi

ABSTRACT

In Urdu literature, the tradition of writing "Naat" (poetry in praise of the Prophet Muhammad) originated from Arabic Literature. Naat as a genre is characterized by various attributes. Among the different shades of Naat, one shade is that of seeking help or "Istimdad" (Intercession). Lexically, Istimdad means seeking assistance. It refers to seeking help from some special person in times of distress, with the hope of aid. In other words, seeking help with the conviction that Allah alone is the true Helper and that others are merely means the act is known as "Istimdad." Followers of Islam, in their times of distress, seek help through the Prophet Muhammad's (SAW) intercession. This act is interpreted as Istimdad. Generally, critical study of Naat involves gaining an understanding of both the intellectual aspect of praise and the linguistic and stylistic aspects of expression. However, Istimdad is not considered fundamental to critical study of Naat and there is very little work on it. Ahmed Nadim Qasmi is a renowned poet of Urdu Naat. While his Naat poetry contains other due qualities, the aspect of Istimdad is also prominent. There isn't much relevant study on Istimdad elements in his Naat. This article is based and limits its scope to the study of Istimdad elements in Ahmed Nadim Qasmi's Naat poetry.

Keywords:

Urdu Literature, Naat, Arabic Literature. Islam, Prophet Muhammad (SAW), Ahmed Nadeem Qasmi.

http://doi.org/10.58932/MULB0037

نعت عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی کسی خوبی یا صفت کے بیان کرنے کے ہیں۔ اصطلاحاً نعت کے معنی خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی تعریف و توصیف اور مدح سرائی ہے۔ ایسی نظم جس میں شاعر آپ ﷺ سے اپنی محبت و عقیدت کا اظہار کرتا ہے، نعت کہلاتی ہے۔ نعت کے لیے ہئیت کی کوئی قید نہیں۔ آپ ﷺ سے عقیدت و الفت کا اظہار قطعہ، مثنوی، غزل، رباعی، نثر جس صنف میں بھی کیا جائے، اسے نعت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ تاہم نعت کے لیے نثری پیرایے سے زیادہ نظم کو ہی اپنایا جاتا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ''ادبیات اور اصطلاحات شاعری میں ''نعت'' کا لفظ اپنے مخصوص معانی رکھتا ہے یعنی اس سے صرف آنحضرت ﷺ کی مدح مراد لی جاتی ہے۔۔۔۔ آنحضرت ﷺ کی مدح چونکہ نثر میں بھی ہو سکتی ہے اور نظم میں بھی اس لیے اصولاً آنحضرت ﷺ کی مدح سے متعلق نثر اور نظم کے ہر ٹکڑے کو نعت کہا جائے گا۔''(1)

گویا نعت ایک موضوعی صنف ادب ہے، ہئیتی نہیں۔ درج بالا حوالے میں نعت کے مدحیہ پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے، واضح رہے کہ استمداد بھی نعت کا نمایاں پہلو ہے جس کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔ نعت کے آغاز و ارتقا کا سلسلہ کائنات کے آغاز کے ساتھ ہی شروع ہوتا ہے۔ اس کائنات کی تخلیق ہی آپ ﷺ کے وجود سے اللہ تعالیٰ کی محبت کا اظہار ہے۔ اسی محبت کا اظہار جب اللہ کے بندے نظم و نثر کی صورت کرتے ہیں تو نعت بنتی ہے۔ گویا نعت کی روایت ابد سے موجود ہے۔ آپ ﷺ کے عہد میں نعت گوئی کے کئی حوالے ملتے ہیں۔ بعض صحابہ کرام نے نعت گوئی کے اعلیٰ نمونے پیش کیے ہیں۔ ان صحابہ کرام میں حضرت حسان بن ثابت کا نام سر فہرست ہے جنہیں شاعرِ رسول ﷺ بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت کعب بن زہیر اور حضرت بوصیری کی جانب سے اس روایت کی توسیع کی گئی۔ گویا باقاعدہ نعت گوئی کا آغاز سرزمین عرب سے ہوا۔ اہلِ یثرب نے ہجرت مدینہ کے موقع پر جس طرز پر آپ ﷺ کا استقبال کیا وہ طرز نعت کی عملی پیشکش سے عبارت ہے۔ اس موقع پر مدینہ کی عورتوں اور بچیوں نے جس کلام (طلع البدر علینا) سے آپ ﷺ کی مدح کی وہ آج بھی محافل نعت میں پورے جذب سے پڑھا جاتا ہے۔ یہ کلام نعت گوئی کے پس منظر میں ایک مضبوط حوالہ بن کر سامنے آتا ہے۔ سرزمین عرب کی تنویر کے بعد مذہب اسلام کی روشنی نے عجم کے گوشے منور کرنے شروع کیے۔ مبلغین کی ایک بڑی تعداد نے مذہب اسلام کی پیام بری کا بیڑہ اٹھایا۔ ان مبلغین میں ایک بڑی تعداد صوفیا کرام کی تھی جن کے قلوب ظاہر ہے کہ وحدانیت کے ساتھ ساتھ رسالت کے عقیدے سے بھی پُر تھے۔ نویں صدی ہجری کے تاریخی و سماجی مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ نعتیہ اشعار کی کثیر تعداد انہی صوفیا کرام سے نسبت رکھتی ہے۔ گیارہویں صدی ہجری میں جب اردو زبان کے باقاعدہ خدوخال متعین ہونا شروع ہوئے تو ان میں نعت کی صورت بھی نمایاں ہوئی۔ اردو کے پہلے

---

(1) فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، (۱۹۷۴ء)، اردو کی نعتیہ شاعری، کراچی، حلقہ نیاز نگار، ص ۲۱

صاحب دیوان شاعر قلی قطب شاہ کے شعری سرمایے میں نعت کے مضامین نمایاں تاہم سادہ بیانیے پر مبنی ہیں۔اردو کے نامور شاعر میر تقی میر کے کلام پر نظر کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے نعتیہ موضوعات کو اسی سلیقے اور قرینے سے برتا ہے کہ جو ان کا خاصا ہے۔ان کے ہاں نعت مختلف شعری سانچوں میں ڈھلی ہوئی نظر آتی ہے جن میں غزل اور مثنوی نمایاں ہیں۔ غزل کی ہیئت میں میرؔ کے نعتیہ کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو:

ہے حرفِ خامہ دل زدہ حسن قبول کا

یعنی خیال سر میں نعت رسول کا

سرمہ کیا ہے وضع پئے چشم اہلِ قدس

احمدؐ کی راہ گداز کی خاک اور دھول کا

دھو منہ ہزار پانی سے سو بار پڑھ درود

تب نام لے اس چمنستان کے پھول کا(1)

تیرھویں صدی کے وسط تک چند کلاسیکی شعراء کے ہاں اُکا دُکا نعتیہ اشعار ملتے ہیں۔ ان میں میرؔ کے علاہ اسماعیل شہید دہلوی اور مومن دہلوی، میر سوز کے ہاں خال خال قصیدوں اور مثنویوں میں نعتیہ اشعار موجود ہیں۔ میر کے معاصر محمد رفیع سودا نے بھی نعت گوئی میں کمالات دکھائے۔ سودا نے غزل اور مثنوی کی ہئیت میں نعت کہی۔چونکہ سودا قصیدہ نگاری میں کمال رکھتے تھے اس لیے ان کی نعت میں بھی ان کے اس وصف کی جھلک ملتی ہے۔یعنی سودا کی نعت فقط نعت نہیں بلکہ ان کے قلم سے نعتیہ قصائد تسطیر ہوئے ہیں۔اس باب میں قصیدہ ''در نعت حضرت سید المرسلین خاتم النبیین احمد مجتبیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' کی مثال لی جاسکتی ہے۔اس عہد کی نعت گوئی میں ایک اہم نام کرامت علی شہیدی کا ہے جن کا تعلق لکھنؤ سے تھا۔ معروف مثنوی نگار میر حسن کے ہاں بھی نعتیہ اشعار ملتے ہیں۔للسان العصر نظیر اکبر آبادی کے ہاں اگرچہ نعتیہ اشعار کا تناسب زیادہ نہیں تاہم موجود ضرور ہے۔بہادر شاہ ظفر کے ہاں سادہ ورواں بیانیے میں نعت ملتی ہے۔ میر درد، غلام ہمدانی مصحفی، مومن خان مومن، مرزا غالب، انشاؔ، سعادت یار خان رنگین، خواجہ حیدر علی آتش، شیخ ابراہیم ذوق، ناسخؔ، انیس و دبیر کے ہاں بھی نعتیہ اشعار ملتے ہیں۔درج بالا تمام شعرا نے نعت کی روایت میں حصہ ضرور ڈالا ہے تاہم نعت گوئی ان کی پہچان نہیں ہے۔ کلاسیکی عہد کے بعد حالی، شبلی، احسن مارہروی، محسن کاکوروی، امیر مینائی، مولانا احمد رضا خان، مولانا حسن رضا، مولانا محمد علی جوہر، بیدم شاہ وارثی، مولانا ظفر علی خان، حفیظ جالندھری، جمیل

(1) ظل عباس عباسی (مرتب)، (۱۹۸۳ء)، کلیات میر، جلد اول، نئی دہلی، ترقی اردو بیورو، ص ۶۸۹

نقوی، ماہر القادری کے نام نعت گوئی کے حوالے سے اہم ہیں۔ان میں بعض شعرا کی خاص پہچان نعت گوئی ہے۔اس ضمن میں ماہر القادری کی مثال لی جاسکتی ہے۔ بیسویں صدی کے نعت گو شعرا میں جمیل نقوی، ماہر القادری کے علاوہ حفیظ جالندھری، سکندر لکھنوی، اختر لکھنوی، قمر انجم، محمد علی ظہوری، اقبال عظیم، فدا خالد دہلوی، حفیظ تائب، تابش دہلوی، سید نصیر الدین نصیر، حنیف اسعدی، خالد مسعود نقشبندی، ریاض ندیم نیازی کے نام نمایاں ہیں۔ان میں ایک اہم نام احمد شاہ المعروف احمد ندیم قاسمی کا ہے۔اردو ادب کے حوالے سے ان کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔نعت گوئی ان کے خصوصی حوالوں میں سے ایک ہے۔احمد ندیم قاسمی کی نعت گوئی میں ادبی روایت سے زیادہ ان کی تربیت اور ان کے نسب کو دخل ہے۔ان کے آباؤاجداد ایران، افغانستان سے ہوتے ہوئے ہندوستان میں بغرض تبلیغ اسلام وارد ہوئے اور کوہِ سلیمان کے علاقے کو اپنا مسکن بنایا۔احمد ندیم قاسمی کے والد پیر غلام نبی متقی المعروف چن پیر اپنے عہد کے مکرم صوفی بزرگ تھے،ان کی زندگی عبادت و ریاضت سے عبارت تھی اور دنیاوی زندگی کے لیے وہ کچھ زیادہ سامان نہ کر سکے۔احمد ندیم قاسمی کی والدہ غلام بیوی قانع طبیعت کی مالک تھیں اور انہوں نے اپنے شوہر کی جانب سے فراہم کردہ قلیل وسائل میں بچوں کی پرورش خوش اسلوبی سے کی جس کا اندازہ احمد ندیم قاسمی کی شخصیت سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔احمد ندیم قاسمی نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں سے ہی حاصل کی جس میں مذہبی و رسمی دونوں طرح کی تعلیم شامل ہے۔والد کا سایہ سر سے اٹھ جانے کے باعث ان کی تعلیم کا ذمہ ان کے چچا پیر حیدر شاہ کے سر آن ٹھہرا جو خود سرکاری ملازم تھے۔ان ہی کی سرپرستی میں ۱۹۳۱ء میں احمد ندیم قاسمی نے میٹرک میں کامیابی حاصل کی اور اسی سال انہوں نے پہلی نظم بر وفات محمد علی جوہر تحریر کی اور اپنے چچا کو دکھائی جس پر چچا نے انہیں قومی و ملی موضوعات پر نظم تخلیق کرنے اور روایتی غزل گوئی سے احتراز برتنے کی نصیحت کی۔یہ نظم احمد ندیم قاسمی کے ادبی معمور کی خشت اول تھی۔ بعد اس کے سلسلہ چل نکلا، کچھ قدرت نے ادبی دوستانے بھی بنائے رکھے اور یوں احمد ندیم قاسمی نے ادبی قرطاس کو اپنی تحاریر کی رنگارنگی سے مزین کیا۔نثر اور شاعری دونوں میں اپنی پہچان بنائی۔ شاعری میں احمد ندیم قاسمی کی نعت گوئی کو نمایاں شناخت ملی۔انہوں نے مسکن رسول ﷺ کی بھی زیارت کی۔مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا مبارک سفر ان کی نعت میں بھی اپنی چھب دکھلاتا ہے۔ان کی نعت کی بابت حافظ لدھیانوی لکھتے ہیں:

> "تابندہ نقوش ان کی نعتیہ شاعری میں جگمگاتے ہیں اور حضور ﷺ سے قلبی وابستگی کی مثالیں سامنے آتی ہیں۔ان کی نعتیں خوبصورت الفاظ کا مجموعہ ہی نہیں احساسات و واردات کا آئینہ بھی ہیں۔۔۔قرب رسول ﷺ کی ضیا پاشیوں نے ان کے افکار کو نئی تازگی نئی روشنی بخشی۔ان کے نعتیہ فن کو نکھارا،ان کے کلام میں مشاہدہ کا حسن جلوہ گر ہونے لگا، تخیل کی کارفرمائیاں عقیدت کا روپ اختیار کر گئیں، خاندانی روحانی فیض نے اس حاضری کو محبت

رسول ﷺ کا آئینہ بنا دیا۔ان کی نعتوں میں عقیدت مندانہ لہجہ، حضور اکرم ﷺ کو انتہائی ادب سے مخاطب کرنے کا انداز نمایاں ہے۔وہ اپنا سر نیاز حرف اسی در پر جھکانے میں شرف کی انتہا سمجھتے ہیں۔"(1)

ان کا نعتیہ کلام تمام نعتیہ اوصاف سے متصف تو ہے ہی، اس کلام میں استمداد کا رنگ اسے مروجہ نعت نگاری سے الگ کر دیتا ہے۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ نعتیہ کلام میں استمدادی عنصر کی بنا احمد ندیم قاسمی کے ہاں ہی پڑی کیونکہ ان سے قبل بھی اردو شاعری میں ایسے کئی نمونے موجود ہیں، البتہ ان کی نعت کے استمدادی رنگ کو اس عنصر کی توسیع و توثیق ضرور قرار دیا جا سکتا ہے۔استمداد کو استغاثہ کے لفظ سے بھی معنون کیا جاتا ہے۔نعت میں استمداد کی روایت کے بارے میں ڈاکٹر الماس خانم رقمطراز ہیں:

"استغاثہ سے مراد مدد کے لیے پکارنا، داد خواہی چاہنا، فریاد کرنا کے ہیں۔نعت میں بھی ابتدا ہی سے استغاثہ و استمداد کے مضامین ملتے ہیں۔جس طرح صحابہ کرام عہدِ رسالت میں اپنی مشکلات اور مسائل کے لیے نبی اکرم ﷺ کے حضور اپنی فریاد لے کر پہنچتے اور نبی اکرم ﷺ اللہ پاک کے حکم سے ان کی مشکلات کا خاتمہ فرماتے اور ان کے مسائل حل کرتے اسی طرح ان کے وصال کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا کیونکہ نبی اکرم ﷺ رحمت اللعالمین ہیں اور آپ کی رحمتوں کا سلسلہ آپ ﷺ کے پردہ فرما جانے کے بعد بھی جاری و ساری ہے۔"(2)

برصغیر میں نعت میں استمداد نگاری کے پیچھے صرف نعت نگاروں کے ذاتی جذبات کارفرما نہیں بلکہ ایک عہد کی داستان موجود ہے۔ بیسویں صدی سیاسی و مذہبی انتشار کی صدی گزری ہے۔اس عصری آشوب نے جہاں سماج کے دیگر عناصر پر اثر ڈالا وہیں ادب کو بھی متاثر کیا۔ سن ستاون کی جنگ کے بعد ادب کے معانی و مفاہیم میں تبدل رونما ہونا شروع ہو چکا تھا۔ادب صرف تلطف کی شے نہیں بلکہ مقصد وافادیت کے تناظر میں بھی دیکھا جانے لگا۔اس نظریے کی بنا پر ادب کے موضوعات وسیع ہونے لگے اور ادب نجی واردات قلبی کے بیانیے سے نکل کر سماجی مسائل کا عکاس بن گیا۔اس سماجی بیانیے میں جہاں دیگر اصناف فعال نظر آتی ہیں وہیں نعت نے بھی اپنا راستہ متعین کیا۔ نعت روایت کے ساتھ ساتھ سماجی بیانیے کو بھی اپنے اندر سمونے لگی۔ یہاں سماجی بیانیہ دیگر اصناف کی مثل بیان مسئلہ نہیں بلکہ حل مسئلہ ہے۔ نعت میں ان مسائل کے حل کے لیے نعت کے مرکز و محور یعنی حضرت محمد ﷺ کو مدد کے لیے پکارنا، مسئلے کے حل کے لیے اس جانب دیکھنا ہی دراصل استمداد ہے۔استمداد کی ذیل میں یہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ حقیقی استعانت کا محور و مرکز اللہ تعالیٰ کی

---

(1) حافظ لدھیانوی، احمد ندیم قاسمی شخصیت اور فن نعت گوئی، مشمولہ: ماہنامہ چہار سو، جلد: اول، شمارہ: ۱۲، جولائی-اگست، ۱۹۹۳ء، ص ۲۲

(2) الماس خانم، ڈاکٹر، اردو نعت میں استغاثہ و استمداد کی روایت: ابتدا سے قیام پاکستان تک، مشمولہ: جرنل آف ریسرچ اردو، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان، والیوم: ۳۳، ایشو: ۱، جون ۲۰۱۸، ص ۹۲-۹۳

ذات ہی ہے جبکہ نبی کریم ﷺ سے استمداد طلب کرنا دراصل توسل ہے۔ نعت گو شعرا نے استمداد نگاری کے وسیلے سے مسلمان قوم میں رجائیت کو فروغ دیا۔ تقسیم بر صغیر تک نعت میں یہ عنصر ابھر کر سامنے آنے لگا۔

''اس دور کی ملی شاعری میں نعتیہ موضوعات کی فراوانی اس بات کی گواہی ہے کہ مسلمان شعراء کے ہاں ملت کو متحد رکھنے کے لیے مرکز ملت، آفتاب رسالت ﷺ کی جانب رجوع کرنے کے رجحان میں اضافہ ہوا ہے۔ سرور کونین ﷺ کے حضور فریاد واستغاثہ اور استمداد کے عناصر اس دور کی ملی شاعری میں نسبتاً زیادہ ملتے ہیں جو اس دور کے مسلمانوں کی زبوں حالی کو دیکھتے ہوئے ناقابلِ فہم نہیں ہیں۔''(1)

ملی شاعری میں استمداد نگاری کی عمدہ مثال حالی کے ہاں ملتی ہے۔ حالی کی مسدس مدو جزر اسلام موضوع کے اعتبار سے نعت نہیں تاہم اس کا منتخب متن استمداد نگاری کی بہترین مثال ہے۔ مولانا ظفر علی خان کی شاعری میں بھی ملی و قومی شعور نمایاں ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں مسلمانوں کی زبوں حالی، خلافت کی تحریک، عدم تعاون کی تحریک، ہجرت اور دیگر معاصر تحریکوں کے علاوہ اطالیہ و طرابلس کی جنگی صورت حال کو بھی موضوع بنایا ہے۔ ان مسائل کے مقابل انہیں دادرسی کے لیے اگر کوئی شخصیت نظر آتی ہے تو وہ کوئی معاصر سیاسی شخصیت نہیں بلکہ سرور کائنات ﷺ کی ذات ہے۔ یہی نگاہ ان کی شاعری میں استمداد کی بنیاد بنتی ہے۔ ملی شاعری کے نمائندہ شاعر علامہ محمد اقبال کو باقاعدہ نعت گو شاعر تو نہیں کہا جا سکتا تاہم ان کی شاعری میں بھی حب رسول ﷺ کا جذبہ نمایاں ہے۔ جب وہ ملت اسلامیہ پر نوحہ خواں ہوتے ہیں تو ساتھ ہی ان کے کلام میں استمداد و استغاثہ کے نقوش بھی واضح ہونے لگتے ہیں۔ گویا نعت کے علاوہ بھی اردو شاعری میں استمدادی عناصر پختہ ہیں۔

بلاشبہ ایک مسلمان اپنے مسائل کے حل کے لیے رب تعالیٰ سے رجوع کرتا ہے تو ضرور اس کی حاجت روائی بھی ہوتی ہے۔ بندے کا اپنے رب سے براہ راست تعلق ہے لیکن یہ بھی حقیقیت ہے کہ رسول ﷺ اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین بندے ہیں، وہ وجہِ تخلیقِ کائنات ہیں، وہ ہادیِ برحق ہیں اور اس کائنات کے واحد انسان ہیں جو اپنی امت کے شافع ہیں۔ جو اللہ کے محبوب سے الفت رکھتا ہے اللہ اس سے الفت رکھتا ہے۔ یہی الفت و مونست کا تعلق جہاں انسان کو اللہ سے قریب کرتا ہے وہیں اسے حضور ﷺ کے بھی قریب کرتا ہے۔ انسان اپنے دل کا حال اللہ کے گوش گزار تو کرتا ہی ہے، اس بابت تعلیمات رسول ﷺ پر بھی نگاہ رکھتا ہے تاکہ اس بہترین اسوہ سے اپنے حال مطابق عمل و عقل کشید کر سکے۔ یہی تعلق نعت میں استمداد کی بنیاد ہے۔ احمد ندیم قاسمی کی نعت میں بھی استمداد کا رنگ کافی پختہ ہے۔ زندگی کے گرم و سرد سے جب کہیں گھبراتے ہیں تو بے اختیار نبی کریم ﷺ سے ہمکلام ہوتے ہیں:

---

(1) محمد طاہر قریشی، (جون ۲۰۱۳ء)، ہماری ملی شاعری میں نعتیہ عناصر (سقوط دہلی تا سقوط ڈھاکہ)، مقالہ برائے پی ایچ ڈی، جامعہ کراچی، ص ۹۹

تہ بہ تہ تیر گیاں، ذہن پہ جب ٹوٹتی ہیں

نور ہو جاتا ہے کچھ اور ہویدا تیرا(1)

آپ ﷺ رحمت و شفاعت کا مرقع ہیں۔ آپ ﷺ کی ذات کی یہی صفات انسان کی آپ ﷺ سے توقعات کی پروردہ ہیں۔ احمد ندیم قاسمی ظلمت کدے میں نور کا باعث واحد نبی کریم ﷺ کی ذات مبارکہ کو ہی قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے اپنے کردار کی استواری کی تمام امیدیں آپ ﷺ سے ہی باندھ رکھی ہیں۔ انہیں یقین کامل ہے کہ حضور ﷺ کی دربستگی ان کے دشت کو گلزار بنادے گی۔ آپ ﷺ نے جس طرح تند و تیز مزاجوں کو بھی نرم خو بناڈالا، احمد ندیم قاسمی بھی ذات اقدس سے اسی نرمی کے طالب ہیں:

وہی سرسبز کرے گا مرے ویرانوں کو

آندھیوں کو بھی جو کردارِ صبا دیتا ہے(2)

رفتہ رفتہ یہ تعلق اس قدر استوار ہوتا جاتا ہے کہ احمد ندیم قاسمی زندگی کے سفر کی اصل منزل کو آپ ﷺ کے وجود پہ منتج کرتے ہیں، گویا اصل منزلِ زیست کو پہچان لیتے ہیں۔ ان کے لیے حضور ﷺ کی ذات ہی رجائیت کا نشان ہے۔ یہ ہستی انہیں مایوس نہیں ہونے دیتی۔ جب بھی زندگی کے افق پر یاس کے بادل چھانے لگتے ہیں اور ناامیدی کی کیفیت چھانے لگتی ہے وہ حضور ﷺ کو چشم تصور میں بسا لیتے ہیں۔ زندگی کے مصائب سے گھبرا کو جب وہ اپنے تصور میں آپ ﷺ کی ذات کو لاتے ہیں تو ان کی اندھیر دنیا روشنی میں بدل جاتی ہے:

ظلماتِ این و آں میں ہوں، کب سے سرگرم سفر

اور اس سفر میں، میری منزل کا پتہ بھی آپ ہیں(3)

صرف غم جاں میں ہی نہیں، غم دوراں میں بھی احمد ندیم قاسمی کی تمام تر توقعات حضور ﷺ سے وابستہ ہیں۔ زمانے کا کوئی غم انہیں اس لیے غم محسوس نہیں ہوتا کیونکہ ان کے غم گسار حضور ﷺ ہیں۔ اپنے عہد کے ریاستی چلن کی شکایت بھی وہ کسی دنیاوی فورم پر نہیں کرتے بلکہ اس کا تذکرہ بھی حضور ﷺ سے کرتے ہیں۔ وہ دنیا کی کسی ہستی

(1) احمد ندیم قاسمی، انوارِ جمال، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۴۸

(2) ایضاً، ص ۵۴

(3) ایضاً، ص ۴۴

سے کوئی توقع رکھتے ہی نہیں بلکہ ان کے لیے عنایات کا مرکز ذاتِ رسول ﷺ ہے اور وہ انہی سے عنایت طلب کرتے ہیں:

آپؐ کے دامنِ رحمت کا سہارا ہے مجھے

میں حکومت کی عنایت کا طلب گار نہیں(1)

شعر گوئی احمد ندیم قاسمی کا فن ہے۔تاریخ میں اس فن کے پروردگان نے اپنے فن کی بدولت کیسی کیسی رعایات و مراعات حاصل نہ کیں۔ وہ چاہتے تو اس فن کی بدولت اپنے عہد کے عہدیداران کے قصائد تحریر کر کے دنیاوی منفعت پا سکتے تھے۔ لیکن یہ کبھی ان کا مقصود نہیں رہا۔ اسی طرح وہ ان عہدیداران سے کبھی مدد کے طالب نہیں ہوتے۔ جب محمد ﷺ سے نسبت کی بات ہوتی ہے تو وہ اپنے تمام جذبات و احساسات کا کھل کر اظہار کرتے ہیں:

قصر و ایواں سے چپ چاپ گزر جاتا ہے ندیمؔ

در محمدؐ کا جب آئے تو صدا دیتا ہے(2)

احمد ندیم قاسمی کا دور تحریک آزادی اور پھر ہجرت کا دور ہے۔ وہ مابعد ہجرت کے مسائل کے عینی شاہد ہیں۔ ایک طرف پورے کے پورے کنبے اپنی عرصہ دراز کی وابستگیوں کو چھوڑ کر نئی منزل کے راہی ہو رہے تھے تو دوسری طرف ہجرت زدوں کو سر تک چھپانے کا ٹھکانہ نہیں مل رہا تھا۔اس قسم کے حالات میں کئی معاشرتی و سماجی مسائل نے جنم لیا جن میں سے کئی مسائل جیسا کہ مہاجروں کی آبادکاری، خوراک اور صحت کے مسائل سنگین نوعیت اختیار کر رہے تھے۔ وہ ایک طرف اپنے عہد کے مسائل سے اچھی طرح واقف ہیں تو دوسری طرف اس حقیقت سے بھی بخوبی آشنا ہیں کہ انہیں ہر طور ان مسائل کا حل تلاش کرنا ہے۔ وہ اردد گرد ان مسائل کا حل تلاشتے ہیں تو کامیابی نہیں ہوتی۔ ایسے میں ان مسائل کا بہترین حل انہیں رسول ﷺ کی ذات اقدس کے وسیلے سے ہی ملتا ہے اور وہ انہی سے مدد کی درخواست کرتے ہیں۔

غم تو اِس دَور کی تقدیر میں لکھے ہیں، مگر

مجھ کو ہر غم سے نمٹ لینے کا یارا دے دے(3)

---

(1)ایضاً، ص ۸۳

(2)ایضاً، ص ۵۵

(3)ایضاً، ص ۶۴

احمد ندیم قاسمی نے نعت میں صرف اپنی ذات اور اپنے خطے کی بابت ہی استمداد نگاری نہیں کی بلکہ وہ پوری امت مسلمہ کو درپیش مسائل کے حل کے لیے نبی کریم ﷺ کی طرف نگاہِ امید کیے ہوئے ہیں۔ مسئلہِ فلسطین کہ جو عہد حاضر میں انتہا پر پہنچ چکا ہے اور پوری دنیا کی نگاہیں اس طرف اٹھی ہوئی ہیں، ان کے دور میں بھی توجہ طلب رہا ہے۔ ان کے نزدیک اس مسئلے کا حل ذاتِ اقدس ﷺ کے سوا اور کسی کے پاس نہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ حضور پر نور ﷺ دوبارہ دنیا میں تشریف نہیں لائیں گے اور ان کا وصال ہو چکا ہے۔ تاہم احمد ندیم قاسمی جب مسئلہ فلسطین کا اور کوئی حل نہیں پاتے تو بے اختیار کہہ اٹھتے ہیں:

ایک بار اور بھی بطحا سے فلسطیں میں آ

راستہ دیکھتی ہے مسجدِ اقصیٰ تیرا(1)

اس مثال سے ثابت ہوتا ہے کہ استمداد صرف ذاتی دادرسی کے لیے نہیں ملی و قومی مسائل کے حل کے لیے بھی ایک بھرپور صدا ہے اور یہ مسائل عمومی نوعیت کے نہیں بلکہ انتہائی توجہ طلب ہوتے ہیں۔ ایسا مسئلہ جو کسی فرد واحد کا نہیں بلکہ پوری قوم کا مسئلہ ہو اور اس پر پوری قوم کا مستقبل استوار ہو، منتشر خیالی سے حل ہونے والا نہیں ہوتا۔ دور حاضر پریشاں خیالی کا دور ہے۔ فلسطین یا اس طرز کا کوئی اور مسئلہ حل کرنے کے لیے جس بصیرت کی ضرورت ہے وہ آج کے دور کی شخصیات میں مفقود ہے۔ ایسے میں تعلیماتِ رسول ﷺ کا سہارا ہی انسان کو ناامیدی و مایوسی سے نکالتے ہیں۔ یہی سہارا نعت میں استمداد کے رنگ میں ابھرتا ہے۔ ایسے سنگین مسائل نعتیہ استمداد کی اہم بنیاد ہیں۔ ایسے میں اس ضمن میں ڈاکٹر ریاض مجید کا بیان ملاحظہ ہو:

"انفرادی و سماجی مصائب کے علاوہ استغاثہ کا ایک محرک ایسا المیہِ عظیم بھی ہوتا ہے جو پوری ملتِ اسلامیہ کو ہلا کر رکھ دیتا ہے۔"(2)

احمد ندیم قاسمی کے نعتیہ کلام میں استمدادی عناصر سے فکرِ قاسمی کی توضیح بخوبی ہوتی ہے۔ بچپن سے ہی ان کی تربیت میں حضرت محمد ﷺ سے نسبت شامل رہی۔ یہی نسبت وقت کے ساتھ ساتھ مضبوط ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ سرور کائنات ﷺ کے ساتھ ان کا روحانی تعلق استوار ہو گیا۔ اسی تعلق کی بنا پر وہ نہ صرف اپنے ذاتی مسائل کے حوالے سے بلکہ قومی و عالمی مسائل کے حوالے سے بھی نبی کریم ﷺ سے رجوع کرتے نظر آتے ہیں۔ اس پر فتن دور میں

---

(1) ایضاً، ص ۵۰

(2) ریاض مجید، ڈاکٹر، (۱۹۹۰ء)، اردو میں نعت گوئی، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ص ۵۱

حضور ﷺ کی ذات ایک سہارا بن کر ان کا ہاتھ تھامے رہتی ہے اور وہ اسی سہارے کے ساتھ زندگی کی تمام آزمائشوں سے گزر آتے ہیں۔

ہو لاکھ آفتابِ قیامت کی دھوپ تیز

میرے لیے تو سایہ دیوار آپؐ ہیں(1)

استمداد کا یہ جذبہ صرف شاعری یا ادب کا ایک عنصر نہیں بلکہ ایک کامل عقیدہ ہے کہ جس کی رو سے ہم قیامت کے روز نبی کریم ﷺ کی شفاعت سے بہرہ مند ہوں گے۔ وہ لوگ یقیناً خوش قسمت ہیں کہ جو اس عقیدے کو ہمہ وقت اپنے دل میں بسائے ہوئے ہیں اور روز قیامت کے علاوہ دنیا میں بھی نبی کریم ﷺ کی ہی شفاعت اور دست گیری کے متمنی ہیں۔

مجھے تو اپنے کرم کی یہیں بشارت دے

کہ روزِ حشر میں نہ دیتا پھروں دُہائی تیری(2)

اس اعتبار سے احمد ندیم قاسمی وہ خوش قسمت نعت گو ہیں کہ جن کا عقیدہ ان کے الفاظ و فکر میں اپنی چھب دکھلا کر بجائے خود ان کی شفاعت کی امید دلاتا ہے اور قارئین کو بھی اس جانب راغب کرتا ہے۔ وہ حضور ﷺ سے قرب کو ہر فکر سے آزادی کا ذریعہ بتاتے ہیں اور اپنے قارئین کو بھی اس ذریعے سے روشناس کراتے ہیں:

کیا فکر ہے جب تم کو میسر ہیں محمدؐ

اے تشنہ لبو، ساقئ کوثر ہیں محمدؐ(3)

حضور اکرم ﷺ ہی وہ واحد ہستی ہیں کہ جو سب سے بڑھ کر اللہ کے قریب ہیں۔ اللہ کبھی اپنے نبی ﷺ کے پیروکاروں اور چاہنے والوں کو مایوس نہیں کرے گا، اسی یقین کے ساتھ احمد ندیم قاسمی نے اپنی نسبت نبی کریم ﷺ سے بنا رکھی ہے۔ احمد ندیم قاسمی کو اس نسبت پر فخر ہے۔ یہ نسبت ان کے لیے دنیا جہان کی امارت سے بڑھ کر ہے۔

درِ رسول پہ بیٹھا ہوا فقیر ہوں میں

---

(1) احمد ندیم قاسمی، انوارِ جمال، ایضاً، ص۳۹

(2) ایضاً، ص۷۵

(3) ایضاً، ص۱۰۱

بھلا جہاں میں کوئی مجھ سا امیر کہاں(1)

نبی کریم ﷺ نے خود اپنی امت کی شفاعت کی نوید دی ہے۔ اسی نوید سے آس پکڑ کر احمد ندیم قاسمی حضور ﷺ کے توسل سے بارگاہِ ربی میں حاجت روائی کی خواہش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب کے وسیلے سے انہیں اپنی مراد براری کا پورا یقین ہے۔ یہی یقین ہر اس مسلمان کو بھی ہونا چاہیے کہ جو کلمہ طیبہ پر کامل یقین رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیا بھی اس دنیا میں بھیجے لیکن جو تقرب اللہ اور حضور اکرم ﷺ میں ہے، وہ سطح اور کہیں نہیں ملتی۔ یہی تقرب نعت میں استمداد نگاری کی بنیاد ہے اور احمد ندیم قاسمی نے اس تقرب کو سمجھنے کا حق بخوبی ادا کیا ہے۔

دنیا مقامِ حوادث ہے۔ یہاں انسان ہر لحظہ مختلف کیفیات سے آشنا ہوتا ہے۔ ان کیفیات میں غم کی کیفیت اس لیے بھی غالب رہتی ہے کیونکہ انسان فطری طور پر زود رنج ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انسان فطری طور پر جھگڑالو طبیعت کا ہے جس کی وجہ سے ہر وقت کوئی نہ کوئی ہنگامہ بپا رہتا ہے اور یہی ہنگامہ اکثر سنگین واقعات و حادثات پر منتج رہتا ہے۔ یہ حوادث غم افزا ثابت ہوتے ہیں۔ انسان غم خوار نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ خود اس غم کی وجہ ہوتا ہے۔ انسانی ذات کیفیت غم کا انجذاب کرنے سے قاصر ہے۔ صرف آپ ﷺ کو ہی قدرت نے اتنے ظرف سے نوازا ہے کہ جہاں سارے غم جذب ہو جاتے ہیں۔ اسی ظرف کے پیش نظر جہاں دیگر عقیدت مند آپ ﷺ کے حضور اپنا غم بیان کرتے ہیں اور غم گساری کے طالب ہوتے ہیں وہیں احمد ندیم قاسمی بھی اپنی تمام تر توقعات نبی کریم ﷺ سے وابستہ کرتے ہیں اور سرفراز ہوتے ہیں۔ ان کی نعت میں مدح رسول ﷺ کے ساتھ ساتھ استغاثہ کا عنصر بھی اس قدر پختہ ہے کہ قاری اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

* * * * * * * *

(1) ایضاً، ص ۹۰